اندھیارا = اندھیرا = اندھیر

۳۹۳۔ سار = سوار کی تخفیف = ق

۳۹۹۔ ط میں بارٹ بتائے ہند کی بجائے بتائے قرشت یعنی بات۔

۴۰۶۔ جنگم = بالفتح دو حرف نون غنّہ کے بعد کاف فارسی مفتوح۔ س۔ علاقہ کرناٹک۔ فرقہ لنگایت ویرشیوا یعنی شرن بسپا کے پیرؤں کا وہ تارکِ دنیا شخص جو عوامی خیرات پر بسر کرتا ہے۔ یہ سر کے بال نہیں مونڈتا۔ جُوڑا باندھا ہوا ہوتا ہے۔ یہ اپنے پیروں میں پیجن پہنے ہوئے گھنٹی بجا بجا کر خیرات طلب کرتا ہے۔

۴۱۲۔ ط = ہوا حق اس ارخ اس صورت میں حق کے قاف کو مشدد پڑھنا چاہئے معنی بھی درست رہتے ہیں۔

۴۱۴۔ عروض وضرب باسقاط الف لام۔

۴۱۵۔ شاہ علی بابا فرزند امین الدین اعلیٰ نیز آگے بیت نشان ۴۲۷، ۴۲۸ دیکھیے۔

۴۱۸۔ راتا = ہ۔ صفت = رنگین

۴۲۱۔ حضور = واوخت

۴۴۶۔ کلت = ہ۔ اسم۔ بفتح کاف وکسر لام = الفت = محبت + مدہ کلت = سرشارِ عشق۔

۴۵۰۔ قُرب = بتحریک رائے مہملہ = ق

۴۶۵۔ کھار = ھ = بار = فارسی۔ دونوں کی اصل ایک ہی ہے۔

۴۶۶۔ دفا کا قافیہ نفار (= نفع) دکھنیوں کی تخفیف " جیسا بولتے تھے ویسا باندھتے تھے" کی ایک اور مثال۔

۴۶۷۔ کلاب = ع - اسم - کلب کی جمع بکسر -
۴۶۹۔ بہرور بروزن کمرکر = ق
۴۷۷۔ ط . . . . . نالیک تُو = اس صورت میں نا لکیو یعنی مت لکھو۔
۴۷۸۔ چوہ - اسم = چار + سار = ہ - صفت = قدر - جوسار = گراں قدر
۴۷۹۔ عذر بروزن بدل = ق
۴۸۲۔ بیگ - ہ - صفت - تیزی = جلدی - عجلت
۴۸۴۔ ط = لولا ہے تو = غالباً خک -
۴۸۵۔ غیور = بتشدید یائے معروف = ق -

اہل علم کے لیے چار نادر تحفے

۱۔ تفسیر روح المعانی: جو ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ قسط وار شائع ہو رہی ہے قیمت مصر وغیرہ کے مقابلہ میں بہت کم یعنی صرف تین سو روپے
آج ہی مبلغ دس روپے پیشگی روانہ فرما کر خریدار بن جائیے اب تک ۴ جلدیں طبع ہو چکی ہیں باقی ۲۶ جلدیں جلد طبع ہو جائیں گی -

۲۔ جلالین شریف: مکمل مصری طرز پر طبع شدہ حاشیہ پر دو مستقل کتابیں (۱) لباب النقول فی اسباب النزول" للسیوطیؒ" (۲) معرفۃ الناسخ والمنسوخ" لابن الحزم" قیمت مجلد ۲۰ روپے

۳۔ شرح ابن عقیل: الفیہ ابن مالک کی مشہور شرح جو درس نظامی میں داخل ہے قیمت مجلد ۲۰ روپے

۴۔ شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی سورۂ بقرہ تین جلدوں میں شائع ہو رہا ہے پہلی جلد آچکی ہے - نمونہ طلب فرمائیں -

پتہ :- ادارہ مصطفائیہ - دیوبند ضلع سہارنپور

ہندو تہذیب اور مسلمان

(جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب استاد تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی)

(۳۱)

علی محمد خاں روہیلے کی سرکار کے ہاتھیوں کی تعداد کا ذکر کسی ہم عصر کتاب میں نہیں ملتا مگر ان کی سرکار میں کافی ہاتھی تھے۔ جس زمانہ میں محمد شاہ نے بنگڈھ پر حملہ کیا تھا اور نواب علی محمد خاں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا تو وہ ہاتھی پر سوار ہو کر آیا تھا جس پر سنہری ہودا رکھا ہوا تھا۔[۱]

قائم جنگ بہادر، والی ریاست فرخ آباد نے نواب وزیر الممالک عماد الدولہ کی خدمت میں دو ہاتھی بطور نذر پیش کیے تھے۔[۲]

ہندوستان کے تمام دولت مند مسلمان ہاتھی کی سواری باعث فخر سمجھتے تھے۔ بنگال میں ہاتھی کی سواری عام تھی۔[۳] نوابین بنگال اور ان کے قریب تر رہنے والے مصاحبین اور امراء کے یہاں

---

[۱] سفرنامہ مخلص ص ۷۶

[۲] ایضاً ص ۸۲ برائے شواہد ملاحظہ ہو۔

TWINING TRAVELS IN INDIA . P. 166

[۳] خلاصۃ التواریخ ص ۷۴

سواری کے الگ ہاتھی ہوتے تھے[1]

ہاتھیوں کی سواری کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے، گروس نے لکھا ہے کہ شاہان، شہزادگان مغلیہ، صوبائی گورنروں یا ملک کے عہدیداروں کو ہاتھی کی سواری زیب دیتی تھی۔ بقول مصنف مذا، عوام کے دلوں میں رعب و دبدبہ پیدا کرنے کے لئے اور اپنی عظمت و شکوہ کا سکہ بٹھانے کے لئے ہاتھی کی سواری سے زیادہ بہتر کوئی دوسری سواری نہ تھی۔ سواری کے ہاتھیوں کو بھڑکیلے کپڑوں اور زیوارات سے سجایا جاتا تھا اور پیٹھ پر عماریاں کسی جاتی تھیں۔ اس عماری پر بیٹھا ہوا شخص باعظمت ظاہر ہوتا تھا[2]

اٹھارہویں صدی میں انگریزوں کے آنے کے بعد اور میدانِ جنگ میں بندوقوں اور دوسرے بارود کے اسلحوں کی وجہ سے جنگ میں ہاتھیوں کا استعمال متروک ہوتا جارہا تھا اور ما بعد ہاتھی صرف سواری کے کام آتا تھا[3]

پالکی } شاہانِ مغلیہ اور امراء، صاحبِ ثروت لوگ پالکی کی سواری کو بے حد پسند کرتے تھے۔ کیونکہ دوسری سواریوں کے مقابلہ میں زیادہ آرام دہ[4] تھی۔ بہت سے یورپی سیاحوں نے پالکیوں کی ساخت وغیرہ کا تفصیلی ذکر

PROVINCE OF BIHAR STATISTIC OF BIHAR ۱ہ
CITY OF SAHSARAM P.498 VALENTIA. 1, P.P. 228-29

۲ہ گروس: TRAVELS IN INDIA : 1, P 153 ۳ہ ایضاً ص ۱۵۳/۱

۴ہ اچھی پالکیوں کا جو کوچ کی طرح ہوتی ہیں۔ آدمی اپنے کاندھے پر لے جاتے ہیں۔ ان کے اوپر شامیانہ ہوتا ہے۔ FORSTER TRAVELS IN INDIA . 312.

۵ہ آئینِ اکبری (ا۔ت) ج ا ح ا، ص ۲۷۳

کیا ہے۔

ٹراورنیز لکھتا ہے۔" یہ ایک قسم کی چھ یا سات فٹ لمبی اور تین فٹ چوڑی چارپائی ہے جس کے چاروں طرف ایک چھوٹا سا گھیرا ہوتا ہے۔ ایک قسم کے نرم بید کو کمان نما ٹیڑھا کر کے اس کے درمیان میں لگاتے ہیں جس پر کپڑا منڈھ دیا جاتا ہے یہ کپڑا ساٹن یا مکلف ہوتا ہے۔ جس رخ پر سورج کی کرنیں پڑنے لگتی ہیں تو خادم اس جانب کا پردہ گرادیتا ہے۔ ایک دوسرا خادم بھی ساتھ ہوتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں ایک ڈھال نما لکڑی کی چھتری ہوتی ہے اور جب پالکی نشیں کے منہ پر سورج کی کرنیں پڑنے لگتی ہیں تو وہ اس سے اس کی حفاظت کرتا ہے اور اُسے سورج کی تپش سے بچاتا ہے۔ پالکی کے دونوں بانسوں کے درمیانی حصے کو بیدوں سے بُن دیا جاتا ہے اور یہ پانچ فٹ لمبے ہوتے ہیں۔ ان بانسوں کے ساتھ ساتھ تین تین آدمی ہوتے ہیں جو اپنے کاندھے پر پالکی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ ان کی رفتار بڑی تیز ہوتی ہے کیونکہ ایام طفلی سے اس کام کی انہیں مشق کرائی جاتی ہے[1] اگر کوئی شخص اپنا سفر جلدی طے کرنا چاہتا تھا تو وہ بارہ کہار پالکی اٹھانے کے لئے لگاتا تھا تاکہ وہ ایک دوسرے کی وقتاً فوقتاً مدد کرتے رہیں[2]

برسات کے زمانے میں ان پالکیوں پر موم جامے کا کپڑا چڑھا دیا جاتا تھا۔[3] چونکہ پالکیوں کو کہار اپنے کاندھے پر لے جاتے تھے۔ اس لئے ابوالفضل نے کہاروں اور ان سواریوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جن کے لئے کہاروں کی خدمات حاصل

---

[1] TRAVERNIER = 1, P 45

[2] ایضاً۔ ۱/ص ۴۵

[3] ایضاً۔ ۱/ص ۲۹

کی جاتی تھیں۔ وہ لکھتا ہے۔

" یہ ملازم بھی ایک قسم کے پیادے ہیں جو خاص ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ کہار بھاری بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھاتے ہیں اور اونچے نیچے ہر طرح کے راستوں کو طے کرتے ہیں۔ یہ لوگ پالکی، سنگھاسن، چوڈول اور ڈولی اپنے کاندھوں پر اٹھا کر اس خوش رفتاری سے چلتے ہیں کہ سوار کو کوئی جھٹکا محسوس نہیں ہوتا۔ اس ملک میں کہار بہت ہیں۔ لیکن ان میں بہترین لوگ دکن اور بنگالے کے باشندے ہیں شاہی آستانے پر کئی ہزار کہار خدمت کے لئے موجود رہتے ہیں۔ ان کے سردار کی تنخواہ تین سو چوراسی درم سے زیادہ اور ایک سو بانوے درم سے کم نہیں ہوتی۔ معمولی کہار ایکسو بیس درم سے لے کر ایک سو ساٹھ درم تک ماہوار تنخواہ پاتے ہیں۔" [۱]

سترھویں اور ما بعد کی صدیوں میں ہندوستان میں پالکیوں کی سواری کا رواج خواص و عوام ہر طبقے کے لوگوں میں پایا جاتا تھا۔ ان صدیوں کے ہندوستانی ادب اور سیاحوں کے بیانات میں پالکی کے رواج کا کثرت سے ذکر ملتا ہے۔ امراء کی سواریوں کا ذکر کرتے ہوئے برنیر نے لکھا ہے کہ بعض عمدہ ہاتھیوں پر اور اکثر مکلف پالکیوں میں، جن کو چھ چھ کہار اٹھاتے تھے سفر کرتے تھے۔ امراء زربفت کا تکیہ لگا کر بیٹھتے، پان چباتے اور حقہ کے کش لگاتے، سفر کرتے تھے [۲]

---

[۱] آئین اکبری (ا۔ت) ج ۱، ح ۱، ص ۲۷۲، ۲۷۳ سو جز کا بیان ہے کہ بالعموم ہر ایک پالکی کے ساتھ نو کہار لگائے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ دو آدمی یا دو لڑکے مزید ہوتے تھے جو سامان اٹھاتے تھے اور مشعلیں لے کر آگے آگے چلتے تھے۔ TRAVELS IN INDIA PP 16-17

[۲] برنیر (انگریزی) ۲۱۴، ۳۷۰ - ۳۷۱

عہدِ مغلیہ میں پالکی خانہ، ایک علیحدہ شعبہ ہوتا تھا۔ اس کا ناظم داروغۂ پالکی خانہ کہلاتا تھا۔[۱]

اٹھارہویں صدی کے زیادہ تر شاہانِ مغلیہ عیش پرست تھے لہٰذا دیگر سواریوں کے علاوہ ان کو پالکی کی سواری زیادہ مرغوبِ خاطر تھی۔ محمد شاہ بادشاہ خاص طور پر پالکی کی سواری پسند کرتا تھا۔ کیونکہ اسے فتق کا عارضہ تھا جس کی وجہ سے اُسے گھوڑے کی سواری میں تکلیف ہوتی تھی[۲] شاہی خاندان کی مستورات بھی پالکیوں میں سفر کرتی تھیں[۳]

بادشاہوں کی طرح اس عہد کے امراء بھی عیاش اور نازک مزاج تھے۔ گھوڑے اور ہاتھی کی سواری کے بجائے پالکی کی سواری کرتے تھے[۴] ہرچرن داس نے روشن الدولہ طرہ باز خاں کی سواری کی پالکی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں اتنا زیادہ سونا لگا ہوتا تھا کہ فقراء تولوں سونا جمع کر لیتے تھے۔

۱۔ رسالہ محمد شاہ و خان دوراں، خان ص ۱۶۸ ب، تاریخ احمد شاہی ص ۹۲ الف

INDIA AT THE DEATH OF AKBER : P.166

۲۔ واقعات اظفری ص ۱۵۵

۳۔ برنیر ص ۳۷۲

۴۔ امراء کی پالکیوں کے سامنے فاقہ مست اور ملازم پیشہ لوگوں کے غوغا کا ذکر کرتے ہوئے سوداؔ نے لکھا ہے۔

ہندو و مسلمان کو پھر اس پالکی اوپر
ارتھی کا توہم ہے جنازہ کا گماں ہے

ناچار ہو پھر جمع ہوئے قلعہ کے آگے
جو پالکی نکلے ہے تو فریاد و فغاں ہے

کلیاتِ سوداؔ ا/ص ۳۶۴ - ۳۶۵

"بفیض او تا بجائی بود کہ پالکی و فیل برائے سواری شد از مقیش طلا تیاری آں می نمود کہ ہر روز در سواری او کہاران و فقراء تولہ ہا مقیش از زمین می چیدند"[1]

امیر الامراء حسین علی خاں اگر پالکی پر سوار نہ ہوتا تو اس کا قتل اُتنا آسان نہ ہوتا جتنی آسانی سے اُسے قتل کر دیا گیا تھا[2]

دربارِ مغلیہ سے بطور طرۂ امتیاز امراء کو پالکیاں عنایت کی جاتی تھیں۔ احمد شاہ بادشاہ نے اپنے ماموں مان خاں مطرب کو پالکی جھالردار عنایت کی تھی[3]

سارے شمالی ہندوستان میں پالکی کی سواری کا عام رواج تھا[4] کشمیر میں

---

[1] چہار گلزار شجاعی ص ۲۲۸ ب، نیز ملاحظہ ہو کلیات نظیر اکبرآبادی

وہ پالکی جو تھی سنہری جو زر نگار نہ جھالر پہ جس کی ہوتے تھے موتی پڑے نثار ص ۵۳۲

[2] خافی خاں ۲/ص ۹۰۳-۹۰۴، سیر المتاخرین (ا-ت) ۲/ ۶۰ دربار معلی سے اعتقاد خاں پالکی پر سوار ہو کر بھاگا تھا۔ سیر المتاخرین (ا-ت) ۲/ص ۴۴ -

[3] تاریخ احمد شاہی ۴ اب، ۱۶ اب، رقعات مرزا قتیل ص ۴۷ -

[4] ہم عصر شواہد کے لئے ملاحظہ ہو TWNING: TRAVELS IN INDIA P.P. 54. 58. 64. 77.78 P.186

MRS MIR HASAN ALI OBSERVATIONS ETC. P.P. 170-172

VALENTIA - TRAVELS ETC. I - P. 240 GROSE TRAVELS I. P.P 153-55

HODGES - TRAVELS IN INDIA PP 100-130 -

چہار گلزار شجاعی ۱/ص ۱۳۵ الف/ب، رسالہ محمد شاہ و خاندوراں خاں ۱۶۸ اب، کارنامۂ عشق ص ۱ الف

وقائع انند رام مخلص ۲/ص ۲۰ ب، MEMOIRS OF DELHI AND FAIZABAD II. P. 59

تذکرۃ الملوک ۱۱۳ الف، سوانح اعظم خانی/ ۲۵ الف، فرخ نامہ ص ۷ ب، مجالس رنگین ص ۵۸

عیار الشعراء ص ۱۹۲ الف، واقعات اظفری ص ۱۲۸ -

عمدہ قسم کی پالکیاں بنتی تھیں [1] پالکی کی ساخت میں اختراعات کرنے والے کاریگروں کو شاہی انعام ملتا تھا۔

ایک مرتبہ احمد شاہ بادشاہ کے وزیر اعتماد الدولہ نے بادشاہ کی خدمت میں ایک پالکی نذر کی جس میں کچھ اختراعات تھیں۔ بادشاہ نے اس پالکی کا معائنہ کیا۔ کچھ مفید مشورے دیئے اور کہاروں کو سو روپے بطور انعام دیئے [2]
رسالہ محمد شاہ و خان دوراں میں پالکی کے شعبے کی تباہی کی داستاں بڑے دلدوز انداز میں ملتی ہے [3] ہیبر نے دیوانِ عام میں ٹوٹی پھوٹی پالکیوں کا ڈھیر دیکھا تھا [4]

سکھ پال: سکھ پال [5] اپنی ساخت میں ڈولی کی طرح ہوتا تھا لیکن صرف اتنا فرق تھا کہ اول الذکر جسامت میں ڈولی کے مقابلے میں کچھ بڑا ہوتا تھا [6]۔ بنگال کے

---

[1] برنیر۔ ص ۲۰۴

[2] تاریخ احمد شاہی ۹۲ الف ب۔

[3] رسالہ محمد شاہ و خاندوراں خاں ص ۱۶۸ ب

[4] HEBER TRAVELS ETC 1, P, 562

[5] سکھ آسن اور سکھاسن کے بارے میں ملاحظہ ہو۔ آئین اکبری (انگریزی ترجمہ) ۱/ص ۲۶۴، جلد دوم ص ۱۲۲
INDIA OE AURANGZIBE : PP 41-42

[6] موجی ۳/ص ۹۲ پلیٹ نمبر ۱۸۱ ×۔ مولانا عبدالحلیم شرر نے سکھ پال کی ساخت کی وضاحت اسطرح کی ہے "سکھ پال ان دنوں عورتوں کی نہایت معزز سواری تھی، جو خالص ہندوستانی چیز اور ہندی مذاق کے تکلفات کا مکمل نمونہ تھی۔ یہ ایک سرخ گنبد نما ڈولی تھی۔ ایک لمبے چوڑے کھٹولے پر ایک شاندار لال برج بنا دیا جاتا تھا جس میں سونے چاندی کے کلس لگے ہوتے تھے۔ چاروں طرف پردے لٹکے ہوتے۔ اسمیں میں بھی آگے پیچھے دو دو ایک ایک ڈنڈے ہوتے اور بہت سے کہار ان کو اٹھا کر لیجاتے یہ سواری عالی مرتبہ بیگمات اور محل شاہی کی خاتونوں کے لئے خاص تھی" گذشتہ لکھنؤ ص ۴۰۱۔۴۰۳

کے دولتمند لوگ سکھ آسن اور سکھ پال کا استعمال کرتے تھے۔ اس کی ساخت قوس نما ڈولی کی سی ہوتی تھی جو اونٹ کی اون اور ریشمی کپڑے یا گلناری رنگ کے کپڑے یا اسی قسم کے کسی دوسرے کپڑے سے منڈھی ہوتی تھی۔ اُس کے دونوں جانب مختلف قیمتی دھاتوں کے پتے جڑے ہوتے تھے [1]

ابوالفضل نے سکھ پال کو "خشکی کی کشتی" سے تعبیر کیا ہے [2] یہ اتنی کشادہ ہوتی تھی کہ دورانِ سفر میں اس میں بآسانی بیٹھا، لیٹا اور سویا جاسکتا تھا [3]

صاحبۃ الزمانی والدہ احمد شاہ بادشاہ، دورانِ سفر میں سکھپال کا استعمال کرتی تھی [4]

شاہ عالم ثانی نے سنگھاسن کی سواری کا ذکر کیا ہے [5]

سنگھاسن، پالکی کے علاوہ بنگال کی سواریوں میں جوآلہ کی سواری کا بھی ذکر ملتا ہے [6] مگر برسات کے زمانے میں بالعموم کشتیوں پر سفر ہوتا تھا [7]

---

[1] آئین اکبری (انگریزی ترجمہ) ۲/ص ۱۲۲، نیز ریاض السلاطین (انگریزی ترجمہ) ۲۲

[2] اکبرنامہ (انگریزی) ۱/۲۱۵ برائے سکھپال اور سکھ آسن ملاحظہ ہو، اکبرنامہ (انگریزی ترجمہ) ۲/ص ۱۵۰، ۲۱۵، ۳۴۱

[3] آئین اکبری (انگریزی ترجمہ) ۲/ص ۱۲۴ بھنڈاری سنگھاسن کے بارے میں لکھتا ہے "خاصہ ہنگام بارش و در خشکی بہ سنگھاسن کہ درہ نوردی درون آں نشستن و دراز کشیدن و خوابیدن بآسانگی رود و بر فرازاں جہت تابش و بارش گزیں سرپناہی برسازند" خلاصۃ التواریخ ص ۴۷

[4] تاریخ احمد شاہی ص ۴۴ ب

[5] نادرات شاہی ص ۸۷

[6] ریاض السلاطین (انگریزی ترجمہ) ص ۲۲

[7] ایضاً ص ۲۲

نالکی نالکی، پالکی اور تختِ رواں کی ساخت کی طرح ہوتی تھی۔ خافی خان نے ان الفاظ میں اس کی بناوٹ کی وضاحت کی ہے۔

"نالکیہا کہ بصورت تختِ رواں ترتیب دادہ بودند[1]"

نالکی کی سواری صرف شاہانِ مغلیہ کے لئے مخصوص تھی اور یہاں تک کہ شہزادے بھی بادشاہ کی اجازت کے بنا نالکی پر سوار نہ ہوسکتے تھے۔ بہادر شاہ اول نے اپنے چاروں بیٹوں کو نالکی پر سوار ہونے کی اجازت دی تھی۔ خافی خاں کا بیان ہے،

"ہر چہار اختر برج سلطنت را حکم ..... سوار شدن بر نالکی ..... فرمودند[2]"

ایک اور واقعہ سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ جس زمانہ میں اظفری جے پور میں وارد ہوئے تو وہاں کے راجہ نے ان کی خدمت میں نالکی سواری کے لئے پیش کی تو انہوں نے جواب دیا۔

"یہ بھی آپ نے زیادتی کی کہ حضرت شاہ عالم بادشاہ سلمہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نالکی پر سوار ہوئے۔ اس کا جرمانہ ادا کرنا چاہئے۔ شاہزادوں کی یہ مجال نہیں کہ حضور کی عنایت و اجازت کے بغیر نالکی پر سوار ہوں[3]"

مستورات شاہی نالکی کی سواری کرتی تھیں۔ صاحب الزمانی قدسیہ بیگم، والدہ احمد شاہ بادشاہ قدم شریف کی زیارت کے لئے نالکی پر گئی تھیں[4]

---

[1] خافی خاں ۲/ص ۵۹۹، ۶۴۶، فرخ نامہ (قلمی) ص ۷ ب، ایک مرتبہ اظفری نے تخت پر ڈنڈے لگا کر نالکی بنالی تھی۔ واقعات اظفری ص ۴۳

[2] خافی خان ۲/ص ۵۹۹، ۶۴۶، سیر المتاخرین (فارسی) ۲/ص ۳۷۸

[3] واقعات اظفری ص ۸۲

[4] تاریخ احمد شاہی ص ۸ ا ب، ۱۶۹ الف۔

پالکی خانہ کا شعبہ الگ ہوتا تھا اور اس کا ناظم داروغہ پالکی کہلاتا تھا۔ نادر شاہ کے حملے کے بعد یہ شعبہ تباہ ہو گیا تھا۔ بقول مصنف رسالہ محمد شاہ و خاندوران خاں۔

" و پالکی جسم خود را از چند قطعہ چوب آراستہ و جور تیشۂ نجار و پیشۂ بر خود اختیار کردہ مدت العمر روغن بر بدن مالیدہ و محنت و بیگار نقاش بر خود چشیدہ و از گرد و خاک پرہیز ساختہ دیری کنج عزلت گزیدہ " ۔[1]

چنڈول [2] سکھ پال، ڈولی اور میانہ کی سواریوں میں غالباً چنڈول سب سے زیادہ آرام دہ ہوتی تھی۔ یہ مکان کے ایک کمرہ کی طرح چاروں طرف سے بند اور ڈھکی ہوتی تھی۔ اس کی کھڑکیوں کو ملمع چڑھے یا ریشمی پردوں سے سجایا جاتا تھا۔ ریشمی کپڑے کے بنے ہوئے اس میں گدے ہوتے تھے۔ کبھی کبھی اس کے فرش پر شیر کی کھال بھی بچھا دی جاتی تھی[3] کچھ لوگ چنڈول کو سیمیں ملمعوں سے مزین کرتے

---

[1] رسالہ محمد شاہ و خاندوران خاں ص ۱۶۸ ب۔ ۱۶۹ الف، تاریخ احمد شاہی ص ۸ الف

[2] آئین اکبری (ا۔ ت) ج ۱، ع ۱، ص ۳۷۳۔

[3] TRAVELS IN INDIA IN THE 17TH CENTURY, P. 187

اہلیہ میر حسن علی نے چنڈول کی بناوٹ کی ان الفاظ میں وضاحت کی ہے۔ چنڈول پالکی نما ایک سواری تھی لیکن پالکی سے زیادہ کشادہ اور شاندار ہوتی تھی۔ درحقیقت یہ ایک سیمیں چھوٹا سا کمرہ تھا جو چھ فٹ لمبا پانچ فٹ چوڑا اور چار فٹ اونچا ہوتا تھا۔ یہ کمرہ چار سیمیں بلیوں پر لٹکا ہوتا تھا جس کو بیس کہار اٹھاتے تھے۔ مزید برآں اور بھی کہاران کی مدد کے لئے ہوتے تھے۔ ایک تہائی میل مسافت طے کرنے کے بعد دوسرے کہار آجاتے تھے اور پہلے والے آرام کرنے لگتے تھے کہاروں کے لباس بھی بھڑکیلے ہوتے تھے برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ OBSERVATIONS ETC 249 - 51

نیز ملاحظہ ہو GROSE: TRAVELS IN INDIA I, P. 155

تھے اور بعض ان پر پھول پتیوں کے نقش و نگار اور دوسری حیرت انگیز تصاویر بناتے تھے یا گول ملمع گیندوں سے سجاتے تھے[1] مزید برآں چنڈول میں ایک خوبصورت برتن بھی لٹکا ہوتا تھا جس میں پینے کے لئے پانی ہوتا تھا۔

چنڈول میں دو بہت خوبصورت اور مزین اور موٹے بانس لگے ہوتے تھے جن کے اگلے اور پچھلے سرے ترچھے یا خمدار ہوتے تھے۔ چنڈول کو بارہ کہار کاندھے پر اٹھاتے تھے۔ تین آدمی ایک ڈنڈے کے ساتھ یعنی چھ آگے اور چھ پیچھے[2]

شاہی خاندان کی مستورات چوڈول یا چنڈول کی سواری پر باہر نکلتی تھیں ان چوڈولوں کی ساخت اور سجاوٹ عام چوڈولوں سے کہیں زیادہ ہوتی تھی[3]

اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں مسلمان گھرانوں میں شادی کے موقعوں پر دلہن کو چنڈول پر رخصت کیا جاتا تھا[4]

ڈولی } ڈولی ابتدا میں زنانی سواری کے لئے مخصوص تھی لیکن بعد میں مرد بھی اس کا استعمال کرنے لگے تھے[5]۔[6] فورسٹر نے ڈولی کی ساخت کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے :-

"جنوبی ہندوستان کی سواریوں سے بالکل مختلف ایک قسم کی

---

[1] SOCIAL LIFE DURING THE MUGHAL AGE, P.132

[2] چنڈول کی ساخت کے لئے ملاحظہ ہو۔ منوچی ۲/ص ۳۲

[3] برنیر ص ۳۷۱-۳۷۲

[4] مجموعہ مثنویات میر حسن دہلوی۔ ص ۱۲۸، گروس ۱/ص ۱۵۵

[5] آئین اکبری (ا-ت) ج ۱/ح ۱/ص ۳۷۳

[6] تذکرۂ ہندی۔ تذکرۂ رسوا ص ۱۰۷